قرآن کریم فتح ونصرت اور ترقی وسرفرازی کا ضامن ہے

تحریر: عبدالمالک مجاہد۔ الریاض

آسمانی ادب کی آخری فلاح انسانیت کا بڑا سادہ اور باوقار پروگرام پیش کرتی ہے

قرآن کریم کی خوبیاں اور فضائل بے شمار ہیں۔ اس کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ یہ انسان کی فلاح کا ضامن ہے۔ خوشگوار زندگی بسر کرنے کا نہایت جامع اور آسان دستور العمل ہے۔ اس کے احکام ونواہی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ بناوٹ سے پاک ہیں۔ بالکل صاف صاف ہیں۔ ان میں کوئی الجھاؤ نہیں۔ کوئی پیچ وخم نہیں۔ اس کا پاکیزہ، بے تکلف اور مؤثر طرز تخاطب انسان کی عقل وشعور کو جھنجوڑتا ہے اور اس وحدہ لاشریک خالق کائنات کی بندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے جس نے ہماری اور پوری کائنات کو اپنی قدرت سے پیدا فرمایا۔

قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس پر عمل پیرا ہو کر قومیں عزت، عروج اور وقار حاصل کرتی ہیں۔ یہ بڑی صاف شفاف اور بہت روشن کتاب ہے۔ اس میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں۔ آسمانی ادب کی یہ آخری کتاب ہماری ہر طرح رہنمائی کرتی ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ اگر تم کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو، اگر تم فلاح کے متمنی ہو اور اگر تم ترقی کے شیدائی ہو تو پھر میرا راستہ بالکل سیدھا اور صاف ہے۔ میری ہدایات پر عمل کرو۔ میں اللہ کی کتاب ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہوں۔ میں امام مبین ہوں۔ میں پیغام ہدایت ہوں، میں چشمہ ہدایت ہوں، میں نور مبین ہوں۔ میں ایک اللہ کی عبادت اور اس کے آخری رسول ﷺ کی اطاعت کی دعوت دینے آیا ہوں۔ میں آخرت کی خبریں سنانے آیا ہوں۔ میں واضح کرنے آیا ہوں کہ سب انسانوں کا خالق، مالک اور رب ایک ہے۔ صرف وہی اکلوتی مقتدر ہستی ہے۔ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ ہر عجز سے پاک ہے۔ قادر مطلق ہے۔ اس کا کوئی ہمسر نہیں۔ وہ بے مثل ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ تمہیں اپنی جبین نیاز صرف اللہ رب العزت کے حضور جھکانی چاہیے۔ جو کچھ مانگنا ہے، صرف اسی وحدہ لاشریک سے مانگنا چاہیے۔ جب تم اپنے حقیقی خالق کو مان لو گے اور اس کو پہچان لو گے تو ساری کائنات تمہارے تابع ہو جائے گی۔

تاریخ گواہی دیتی ہے کہ جن قوموں نے قرآن کی تعلیمات پر عمل کیا اسے مشعل راہ بنایا وہ قومیں ترقی کی معراج پر پہنچ گئیں اور ان کے سر پر عزت ووقار کا تاج سج گیا اور جن قوموں نے قرآن کریم سے روگردانی کی

اس کی تعلیمات کو نہ مانا اور ان پر عمل نہ کیا وہ قومیں تباہ ہوگئیں۔ ان کی عزت خاک میں مل گئی۔ قرآن کریم عربوں پر نازل ہوا۔ قرآن کریم کے نزول سے پہلے مکہ والوں کی حالت یہ تھی کہ کوئی گناہ اور کوئی جرم ایسا نہ تھا جس کا ارتکاب وہ نہ کرتے ہوں۔ شراب وہ پیتے تھے، جوا وہ کھیلتے تھے۔ زنا وہ کرتے تھے۔ لوگوں کا مال ہڑپ کر جانا اور حقداروں کا حق ادا نہ کرنا ان کے ہاں عام بات تھی۔ غلاموں کی کوئی حیثیت نہیں تھی نہ ان کا کوئی حق تھا۔ نہ ان میں کوئی دم خم تھا۔ ان پر جو جس طرح چاہتا ظلم کرتا تھا۔ لوگ انہیں مارتے تھے ان سے دن رات کام لیتے تھے۔ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ غیرت ختم ہوتی جارہی تھی۔ بے حمیتی عام ہو چکی تھی۔ جن لوگوں میں تھوڑی بہت حمیت باقی تھی وہ نہایت سنگ دلی سے اپنی بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔

سب سے بڑا جرم اور ظلم یہ تھا کہ ان کے آبائے کرام سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسماعیلؑ نے جو بیت اللہ تعمیر کیا تھا اس مقدس گھر میں ایک اللہ کی پوجا کے بجائے وہ بہت سارے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ یہ بت پتھر اور لکڑی کے خود تراشے ہوئے تھے۔ یہ کسی نفع ونقصان کے مالک نہ تھے مگر وہ ان کے سامنے جھکتے تھے۔ نذر نیاز پیش کرتے تھے ان کے نام پر فال نکالتے تھے۔ لات اور عزیٰ کے نعرے لگاتے تھے اور دیگر اقوام کو بھی اس گھناؤنے گناہ میں شریک کرتے تھے۔

وہ دنیا کی سب سے پست قوم تھی۔ بہادری اور عزت والی قوم نہ تھی۔ بزدلی کا یہ عالم تھا کہ مکہ والوں نے مدتوں سے کبھی آزادانہ زندگی بسر کرنے کا ذائقہ ہی نہیں چکھا تھا۔ کبھی یمن کے بادشاہ انہیں اپنا غلام بنا لیتے تھے، کبھی حیرہ کے تاجدار، کبھی روم کا بادشاہ کبھی کسی دوسرے ملک کا نمائندہ ان پر حکومت کرتا تھا۔ انہیں آزادانہ زندگی کا کوئی موقع ہی میسر نہ تھا۔ ایک مرتبہ یمن کا بادشاہ ابرہہ ان کی سب سے مقدس بستی پر ہاتھیوں کا غول لے کر چڑھ دوڑا۔ تو وہ بجائے اس مقدس گھر کی حفاظت کرنے، اس کی خاطر لڑنے اور مٹ مرنے کے اس مقدس شہر ہی کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔

جب کسی نے کہا: ارے اے لوگو! اس کعبہ کی بدولت تمہیں پورے عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اب تم کہاں بھاگے جاتے ہو؟ تم اس کی حفاظت کیوں نہیں کرتے؟ اسے بچانے کیلئے لڑائی کیوں نہیں کرتے؟ تو انہوں نے جواب دیا: جس کا یہ گھر ہے وہ خود ہی اس کی حفاظت کرلے گا۔

ان حالات میں آسمان سے رحمت کی برکھا برسی۔ رب کائنات نے سید ولد آدم محمد عربی ﷺ کے سر پر تاجِ نبوت رکھا۔ ان کو کائنات کیلئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا، اور پھر غار حرا میں ان پر ایک ایسی کتاب کے نزول کا آغاز ہوا جس نے عربوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ قرآن کریم ان کیلئے ایک نسخہ کیمیا بن کر آیا۔ یہ ان کے دلوں کی دھڑکن اور ان کے سینوں کی شفا بن گیا۔ زمانے بھر کی بیماریاں، خرابیاں اور واہیات تو ہماتی باتیں اس کی بدولت ختم ہوگئیں۔ مولانا الطاف حسین حالی نے اسی انقلاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

عرب کے بدوؤں نے قرآن کریم کو سینے سے لگایا۔اس کے پیغام کو سمجھا۔سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کی تعلیمات پر سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور پھر چند برسوں میں دیکھتے ہی دیکھتے عرب کی قوم کائنات کی سب سے زیادہ باعزت اور باوقار قوم بن گئی۔

کائنات کے امام حضرت محمد مصطفی ﷺ نے اپنی امت کو ایک سبق پڑھایا کہ دیکھو! اس قرآن کی بدولت اللہ رب العزت قوموں کو ترقی اور عروج عطا فرماتا ہے اور اسی قرآن کی بدولت قوموں کو ذلت و رسوائی سے ہمکنار کرتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کا یہ فرمانا اتنا واضح تھا کہ بلاشبہ جن قوموں، قبیلوں اور افراد نے قرآن پر عمل کیا اور اس کی تعلیمات کو اپنایا وہ دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا پر چھا گئے۔یہی بات علامہ اقبال نے اس شعر میں کہی ہے:

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

قرآن پاک نے قوموں کو بتایا کہ اگر تم عزت چاہتے ہو اور ترقی چاہتے ہو تو پھر پستیوں سے بلند ہو کر عرش والے سے رشتہ جوڑ لو۔عقیدہ توحید کو دلوں میں راسخ کر لو۔قرآن کریم کا یہ پیغام اللہ کے رسول ﷺ صفا پہاڑی پر کھڑے ہو کر قریش کے سامنے رکھتے ہیں۔

پھر عرب کے بدوؤں نے یہ سبق پڑھا۔وہ قوم جس کے ساختہ پرداختہ بتوں سے کعبے کی دیواریں چھپ گئی تھیں۔ جو انہی خود تراشیدہ بتوں کی پوجا کرتی تھی۔ جب انہوں نے قرآن کی تعلیمات پر عمل کیا اور اس کی تعلیمات کو زندگی کے ہر لمحے کیلئے مشعل راہ بنایا تو پھر وہ کائنات پر ابرِ رحمت بن کر چھا گئے۔اس طرح چھا گئے کہ عقبہ بن نافع نے بحر ظلمات کے سامنے اپنا گھوڑا روکا۔مہاجرین کو رکنے کا اشارہ کیا اور ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گئے۔سامنے حد نگاہ تک سمندر ہی سمندر تھا۔زمین کا کوئی کنارہ نظر نہیں آیا۔انہوں نے اللہ کے آگے سجدہ میں سر رکھا اور عرض کیا: اے اللہ! سامنے پانی ہی پانی ہے۔دور تک زمین کا کوئی ٹکڑا اور خشکی کے آثار نظر نہیں آرہے۔اگر مجھے معلوم ہو کہ ان سمندروں کے پار بھی کوئی مخلوق بستی ہے تو تیری کبریائی کی قسم! میں ان گھوڑوں کو سمندر میں ڈال دوں۔ چلتا رہوں اُس وقت تک آگے ہی بڑھتا جاؤں جب تک کرۂ ارض کا آخری کنارہ نہ آجائے۔ پھر اسی وقت رکوں جب محمد عربی ﷺ کا پرچم اس زمین کے آخری سرے پر لہرا دوں۔

قرآن کریم نے ''لا الہ الا اللہ'' پر سب سے زیادہ زور دیا۔ یہ کلمہ، وہ نعرۂ حق ہے جو قوموں کی ترقی اور عروج کا سبب بنتا ہے۔ جب ہم اس قرآنی فیصلے کو تسلیم کر لیتے ہیں کہ سب سے بڑی ذات صرف اللہ کی ہے۔ نفع

اور نقصان کا تنہا وہی مالک ہے۔ وہی زندہ کرنے والا ہے۔ وہی مارنے والا ہے۔ عزت وذلت کا مالک وہی ہے تو پھر انسان کا ملجا و ماوی صرف رب کی ذات ہی ہوتی ہے۔

وہ قومیں جنہوں نے قرآن پڑھا۔ اسے اپنے سینے میں محفوظ کیا، وہ لوگ جو اس کے حافظ، اس کے عالم اور پھر اس پر عمل کرنے والے بنے؛ ان کی شان کس قدر بلند ہوئی؟ آیئے اپنی تاریخ کے سنہرے اوراق میں سے ایک واقعہ پڑھتے ہیں۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کا دور خلافت ہے۔ وہ ایک موقع پر مکہ مکرمہ کے ایک علاقے میں تشریف لے جاتے ہیں۔ اس وقت مکہ کے گورنر سیدنا نافع بن حارثؓ تھے۔ عسفان نامی جگہ پر ان دونوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ اپنے اس گورنر سے مکہ مکرمہ کے حالات دریافت فرما رہے ہیں۔ آپس میں تبادلہ خیال ہو رہا ہے۔ اچانک انہوں نے نافع سے سوال کیا: تم مجھ سے ملاقات کیلئے یہاں آئے ہو۔ یہ تو بتاؤ کہ اپنے بعد مکہ کا گورنر کسے بنا کر آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا: عبدالرحمٰن ابن ابزی کو۔

پوچھا: ابن ابزی کون ہے؟ عرض کیا: ہمارے آزاد کردہ غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے تعجب سے کہا: اچھا! تم نے لوگوں پر ایک آزاد کردہ غلام کو حاکم مقرر کر دیا ہے! انہوں نے جواب دیا: جی ہاں! وہ اس منصب کا اہل ہے۔ وہ کتاب اللہ کا قاری ہے۔ وہ علم وراثت کا عالم ہے۔

سیدنا عمر فاروقؓ نے یہ بات سنی تو ارشاد فرمایا: بے شک رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا تھا: (ان الله يرفع بهذا الكتاب أقوامًا ويضع به آخرين) ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سی قوموں کو بلند مقام پر فائز فرمائے گا اور اس کی مخالفت کرنے والوں کو ذلیل وخوار کرے گا۔''

ذرا غور فرمائیں۔ ایک آزاد کردہ غلام جس کا عربوں کے معاشرے میں کوئی مقام ہی نہ تھا۔ کوئی جاہ وجلال تھا، نہ مال و دولت، حسب نسب، نہ کوئی رتبہ۔ اہل دنیا کے پیمانے کے مطابق وہ دوسروں کی نسبت بڑا کمتر اور گیا گزرا آدمی تھا۔ مگر چونکہ وہ قرآن کریم کا حامل قاری اور عالم تھا۔ اس لئے قرآن نے اسے آزاد کردہ غلام کی پستی سے اٹھا کر فرماں روائی کے بلند منصب تک پہنچا دیا۔ قرآن کے علم نے اسے یہ صلاحیت عطا کر دی کہ وہ لوگوں کو حکم دے اور ان کے مابین فیصلے کرے۔ پھر اس کی زبان سے جاری ہونے والے کلمات نافذ ہونے لگے اور معاشرہ کے باسی اس کی رائے کو کان لگا کر سننے لگے۔

سیدنا عمر فاروقؓ قرآن کریم کے عالم اور حافظ کے مقام و مرتبہ اور فضیلت سے خوب واقف تھے۔ اسی لئے انہوں نے حضرت نافع کے اس انتخاب کو برقرار رکھا۔ اس کی تائید اور توثیق فرمائی۔ سیدنا عمر فاروقؓ نے

اپنے دور میں قرآن کریم کے حفاظ اور قاری حضرات کو یہ اعزاز بخشا کہ ان کی مجلس مشاورت کے شرکاء قاری صاحبان ہوتے تھے۔ چاہے وہ بوڑھے ہوتے یا جوان انہیں سارے اسلامی معاشرے میں بڑا اعزاز اور امتیاز حاصل تھا۔ واضح رہے کہ سیدنا عمر فاروق ؓ خود بھی حافظ قرآن تھے۔ ان کے عہدِ خلافت میں سرکاری مناصب پر تقرر کا یہی معیار تھا کہ نامزد عہدیدار قرآن کریم کا عالم اور حافظ ہو۔

عہد صحابہؓ میں سرکاری طور پر قرآن مجید کی تعلیم اور تبلیغ کا اس قدر زبردست اہتمام تھا کہ گورنر شام نے سیدنا عمر فاروق ؓ کو پیغام بھیجا کہ باشندگان شام کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔ آپ ایسے علماء بھیجیں جو انہیں قرآن کے احکام سکھائیں۔ چنانچہ قرآن پاک کی تعلیم دینے کیلئے حمص، دمشق اور فلسطین میں سرکاری طور پر قاری بھیجے گئے۔

یہ بات آزمودہ ہے کہ جو آدمی جتنا قرآن کریم کے قریب ہوتا جاتا ہے اس کی تلاوت کرتا ہے، اسے حفظ کرتا ہے یا اس کے معنی اور مطالب پر غور کرتا ہے وہ اتنا ہی اللہ کے قریب ہوتا چلا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سب سے پہلے حافظ قرآن اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔ جب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے کسی نے سوال کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا اخلاق کیسا تھا؟ تو انہوں نے جواب میں سائل سے پوچھا کہ کیا تم نے قرآن کریم نہیں پڑھا؟ پھر فرمایا: رسول اللہ ﷺ کا اخلاق تو قرآن تھا۔

ان الفاظ کے مفاہیم بڑے وسیع ہیں۔ ان کی مراد یہ تھی کہ جن کاموں کو کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے ان کی تعمیل میں اور جن سے منع فرمایا ہے ان سے گریز اور پرہیز پر اللہ کے رسول ﷺ پوری طرح کاربند تھے اور احکام الٰہی کی بجاآوری میں سب سے زیادہ مستعد اور سب سے بڑھ کر پیش پیش رہتے تھے۔

اللہ کے رسول ﷺ خود قرآن پاک کی تلاوت کا نہایت التزام سے اہتمام فرماتے تھے اور جو شخص قرآن کا زیادہ حافظ ہوتا تھا اس کی بہت زیادہ عزت اور قدر فرماتے تھے۔ غزوہ احد میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے۔ جب ان کو دفن کرنے کا مرحلہ آیا تو جن کو زیادہ قرآن یاد تھا انہی کو پہلی ترجیح دی گئی۔ صحابہ کرامؓ کی مبارک زندگیوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قرآن کریم کو سیکھنے اور سکھانے کیلئے خوب محنت کی تھی۔ سیدنا زید بن ثابتؓ شدید خواہش کے باوجود کم سنی کے باعث غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ اس کا انہیں شدید رنج تھا۔ وہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ کی قربت حاصل کرنے کیلئے اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ والدہ نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! میرے اس بیٹے کو قرآن کریم کی سترہ سورتیں زبانی یاد ہیں اور یہ ٹھیک اسی طرح صحیح تلفظ سے پڑھتا ہے جس طرح آپ کے قلب مبارک پر نازل ہوا ہے۔ آپ چاہیں تو سن لیں۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے زید بن ثابتؓ سے قرآن سنا تو بہت خوش ہوئے۔ پھر جب اللہ کے رسول ﷺ کو معلوم ہوا کہ زیدؓ کو عربی زبان لکھنے پڑھنے کی بھی

مہارت ہے تو ارشاد فرمایا: زید! میرے خط کتابت کے کام کیلئے یہود کی عبرانی زبان سیکھو۔ مجھے ان پر اعتماد نہیں۔ یوں نوجوان زید بن ثابتؓ کو قرآن کریم کی برکت سے رسول ﷺ کی قربت کا عظیم ترین اعزاز میسر آیا اور اسی قرآن کریم سے تعلق کی بنا پر ان کو اتنا عروج اور اس قدر ترقی نصیب ہوئی کہ وہ کاتب وحی کے اہم ترین منصب پر فائز ہو گئے۔

وہ خوش نصیب جن کو تلاوت قرآن کریم سے بڑا شغف تھا، جن کا تلفظ صحیح تھا، آواز بڑی خوبصورت اور دل کشا تھی ان کیلئے بارگاہ الٰہی سے پیغامات ملے۔ جب قرآن کریم کی تلاوت دل سے کی جائے اور آواز بھی پر کشش ہو تو پھر قرآن کریم کی تلاوت کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ پھر تو جی چاہتا ہے کہ قرآن سنتے ہی چلے جائیں اور یہ دلوں میں اترتا چلا جاتا ہے۔ بہت دلکش اور خوبصورت آواز کے حامل ایک صحابی سیدنا ابی بن کعبؓ بھی تھے۔ وہ اتنی خوبصورت آواز میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ ابی بن کعب سے قرآن کی تلاوت کی سماعت کیجئے۔ جب اللہ کے رسول ﷺ نے ابی بن کعبؓ کو یہ بات بتائی تو انہوں نے نہایت تعجب سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا اللہ رب العزت نے میرا نام لیا ہے؟ ارشاد ہوا: ہاں اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لیا ہے۔ یہ سننا تھا کہ ابی ابن کعب خوشی سے رونے لگے۔...... اللہ اللہ! فی الواقع ان کی خوش قسمتی کے کیا کہنے کہ ان کا نام خود اللہ رب العزت عرش بریں پر لے رہا ہے۔ جب سیدنا عمر فاروقؓ کا دور خلافت آیا تو حضرت ابیؓ کو باجماعت تراویح کیلئے امام مقرر کیا گیا۔ بلاشبہ یہ عزت، یہ شان اور یہ مرتبہ کہ اللہ رب العزت اپنے بندے کا عرش پر نام لیں قرآن کریم ہی سے تعلق کی بنا پر ملا۔

ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کی بدولت قوموں کو عزت اور ترقی عطا فرماتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ خود بھی لوگوں کو قرآن کریم سناتے تھے اور دوسروں سے بھی سننا پسند فرماتے تھے۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے فرمایا: عبداللہ! مجھے قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! قرآن تو آپؐ کی ذات گرامی پر نازل ہوا ہے۔ بھلا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں؟۔ ارشاد فرمایا: مجھے دوسروں سے سننا اچھا لگتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اپنی خوبصورت آواز میں سورۃ النساء کی تلاوت شروع کر دیتے ہیں۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے: ﴿فکیف اذا جئنا من کل أمة بشهيد و جئنابک علی هؤلاء شهيدا﴾ تو اللہ کے رسول ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پھر عبداللہ بن مسعودؓ سے ارشاد فرمایا: بس کرو۔

اب ایک اور صحابی کا واقعہ سنیے۔ یہ واقعہ ہم سیرت طیبہ کے اوراق سے پیش کر رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ بھی انہی صحابہ کو اعلیٰ مناصب عطا فرمایا کرتے تھے جن کو قرآن سے محبت تھی۔ وہ اس کے قاری تھے اور خوبصورت آواز میں پڑھتے تھے۔ ان خوش قسمت لوگوں

میں جن کو قرآن کریم کی بدولت عزت و وقار نصیب ہوا، ایک صحابی سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ بھی ہیں۔ ان کا شمار ایسے خوش قسمت قراء میں ہوتا تھا کہ جن کی آواز بڑی خوبصورت تھی اور وہ بڑی دل کش تلاوت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے سن لیا۔ تو ارشاد فرمایا: ابو موسیٰ! تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے لحن داؤدی سے نوازا ہے۔ سبحان اللہ! خوبصورت آواز بھی قدرت کا کتنا بڑا عطیہ ہے۔ وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں جن کو خوبصورت آواز کا عطیہ ملا ہو اور وہ اسے رب کے دین کو پھیلانے کیلئے بروئے کار لائیں۔ اب دیکھئے ابو موسیٰ اشعریؓ کو قرآن سے قلبی تعلق کی بنا پر کیا صلہ ملتا ہے۔

یمن کا علاقہ اس دور میں بھی بڑا زرخیز اور مشہور علاقہ تھا۔ آپ ﷺ نے ایک صوبے کا گورنر سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ کو اور دوسرے صوبے کا گورنر معاذ بن جبلؓ کو بنا دیا۔ یہ بھی قرآن کریم کے بہت بڑے قاری اور حافظ تھے۔ ایک مرتبہ اپنی گورنری کے دور میں یہ دونوں اکٹھے ہوئے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے قرآن کریم کی تلاوت ہی کے حوالے سے گفتگو کی۔

ذرا غور فرمایئے! کہ یہ دونوں گورنر ہیں، اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں اور بڑی ذمہ داری کے کام انجام دیتے ہیں مگر اس کے باوجود وہ قرآن کریم کی تلاوت سے ہرگز غافل نہیں ہوتے۔ سیدنا معاذ بن جبلؓ سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ سے سوال کرتے ہیں۔ آپ قرآن کریم کی کب اور کتنی تلاوت کرتے ہیں؟

جواب ملا: میں تو بیٹھے بیٹھے، کھڑے کھڑے اور سواری پر بھی تلاوت کرتا رہتا ہوں۔ گویا انہوں نے قرآن کریم کی تلاوت کیلئے روزانہ ایک حصہ مقرر کر رکھا تھا اور وہ چلتے پھرتے بھی قرآن کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔ اب سیدنا ابو موسیٰ اشعریؓ یہی سوال کرتے ہیں کہ آپ کی تلاوت کی رفتار کا کیا حال ہے؟ اس کے جواب میں سیدنا معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں: میں رات کو جلد ہی سو جاتا ہوں۔ کچھ دیر سونے کے بعد اٹھ جاتا ہوں، پھر میں رات ہی کے وقت اپنی منزل پوری کرتا ہوں۔ ذرا غور فرمائیں منصب کی ذمہ داریاں اپنی جگہ مگر یہ مقدس گورنر قرآن کریم کی تلاوت سے کسی حالت میں بھی غافل نہیں رہتے، بلکہ سوتے جاگتے، چلتے پھرتے حتیٰ کہ سواری پر بھی قرآن کریم کی تلاوت مسلسل جاری ہے۔ بھلا ایسا کیوں نہ ہوتا؟ صحابہ کرامؓ اپنے وقت کا ایک لمحہ بھی فضول ضائع نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنا تمام تر وقت اپنے رب کو راضی کرنے میں صرف کرتے تھے اور اللہ کی بارگاہ میں یہی عرض کرتے تھے:

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے نمازی